تصدیق
جلد۰۱ شمارہ۰۵، ۲۰۲۳

Article

THE SENSUOUS INTERACTION IN POETIC PROCESS

تخلیقِ شعر میں حسیاتی تفاعل

Sadia Irshad[1],Sadaf Naqvi*[2]

[1] Ph.D Scholar, Department of Urdu, Government College Women University, Faisalabad
[2] Assistant Professor, Department of Urdu, Government College Women University, Faisalabad
*Correspondence: sadafnaqvi@gcwuf.edu.pk

[1] سعدیہ ارشاد، صدف نقوی[2]

[1] پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد، [2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

ABSTRACT:
This article strives to discover the invisible aspects of the poetic process, especially the sensuous functionality, and interaction in the creation of the poetic verse under the designed title, "The sensuous interaction in the poetic process." It makes a powerful impression on the style and process of poetic expressionism. Every poetic verse is the result of the long innovative, intuitive, and aesthetical sensuous phenomenon, which has been strived to be revealed in this article. To illustrate, the ample number of poetic couplets have been quoted with a highly developed elaboration, which exhibits a remarkable critique approach. This article is a key attempt to explore the novel persuasiveness and cogency within the pretext of sensuousness, used in the formulation of poetry on the account of poets' examples.

KEYWORDS: Senses, Creative Process, Sensuous Interaction, Sensuous Formulations, Poetic Intuition, Interaction, Poetic Process

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.140
Received:29-04-2023
Accepted:05-06-2023
Online:06-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

شاعر فطرت کی چہیتی تخلیق ہے اور شعر شاعر کی چہیتی مخلوق،یوں خلاقیت کا رشتہ خالق و مخلوق میں ہر دو سطحوں پر بر قرار ہے۔یہ رشہ اتنا مقدس اور اہم ہے کہ کن فیکون سے لے کر ہنوز جو تخلیقی عمل جاری ہے یہ اس کا تخلیقی لازمہَ حیات ہے۔شاعر اپنی مشاہداتی ژرف نگاہی سے اپنے عصر اور ماحول سے اخذ و قبول کرتا ہے۔یہ اخذ و قبول مدرکاتِ حسیہ کی سطوح پر ہوتا ہے۔۔شاعر کا حسی ادراک اسے عمومی سطح سے بلند کر دیتا ہے اور وہ عمومی مشاہدات کو گہرے احساسات کے ساتھ بیان کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ شعر کے تخلیقی خمیر میں شاعر کے اخذ و قبول اور فکری تشکیلات کا حسی کردار موجود ہوتا ہے۔شاعر چونکہ انسانی جذبات و احساسات اور مشاہدات و تجربات کا بہترین نقیب ہوتا ہے اس لیے اس کی طبعِ نازک زیادہ حساس ہوتی ہے اور شعر کی تخلیق میں یہ حساسیت نہ صرف یہ کہ کارفرما رہتی ہے بلکہ اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔یوں حسیاتی تفاعل کے تحت ہی کسی شعر کے مواد یعنی اس کے موضوع، فن اور ہئیت کی تشکیلات مکمل ہوتی ہیں۔ تخلیقی عمل بہت پیچیدہ ہوتا ہے۔ خلق کرنے یا ہونے کا عمل تخلیقی عمل ہے جس کا تعلق شعور کے ساتھ ہے۔اس کے ساتھ شعور اور لاشعور دونوں کا تعلق موجود ہے۔یہ کہ اختراعی اور تخلیقی عمل ہے جو حسیاتی تشکیلات اور حسیات کے تفاعل سے گزر کر بلوغت کی عمر کو پہنچتا ہے۔یوں تخلیقی عمل مختلف تعاملاتِ حسیات کے مراحل کا مرہون منت ہے۔لکڑی کو کرسی بننے تک کا عمل اگرچہ ادنیٰ تخلیقی عمل ہے لیکن اس میں لکڑی کسی خود کار واسطے کا کام نہیں کرتی جبکہ شعر خیال اور موضوع کی صورت میں ایک خود کار نظام کے تحت جمالیاتی اور حسیاتی تشکیل سے گزرتا ہے۔حسیات تخلیقی محرک بھی ہیں اور تخلیّق کا خود کار نظام بھی ہیں۔ تخلیق کے لیے ساز گار ماحول،زبان کا وسیع نظام، تخلیقی شعور،ذوقِ جمال،احساس اور تخیلات میں سے زیادہ تر تخلیقی محرکات کا تعلق حسیات ہی کے دائرہ کار سے ہے۔

انسانی جذبات و احساسات شاعری کے ذریعے رقم ہوتے ہیں۔ جذبات کو اشعار کے ذریعے الفاظ میں ڈھالنا کافی محنت طلب ہے لیکن ناممکن کام بالکل نہیں۔انسان کا شاعری کی طرف میلان عمر کے کسی بھی حصے میں ہو سکتا ہے۔اس کے لیے عمر کی کوئی حد مقرر نہیں ۔اس کے علاوہ شاعری سے لگاؤ کا یہ دورانیہ بھی متعین نہیں ہوتا۔یہ طویل بھی ہو سکتا ہے اور قلیل بھی۔ ولیم ورڈزورتھ کے مطابق تو شاعری جذبات کا ابلتا ہوا چشمہ ہے۔ جبکہ ٹی ایس ایلیٹ نے ادب کو تنقیدِ حیات کا نام دیا ہے۔جب ہم کسی شاعر سے ملتے ہیں تو تو ان سے استفسار کرتے ہیں کہ وہ شعر کیسے کہہ لیتے ہیں، تخیل کیا ہوتا ہے اور شعر ذہن میں کیسے ترتیب پاتے ہیں ؟ شاعری کے لیے الفاظ اور خیالات کہاں سے آتے ہیں۔ یہ سوالات ایسے ہیں جن کے جوابات میں انسانی ذہن الجھا بھی سکتا ہے اور راستہ بھی پا سکتا ہے۔ ان کے جواب میں جو عوامل کارفرما ہیں وہ شاعر کو شعر کہنے پر اکساتے ہیں۔یہ عوامل نفسیاتی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی نوعیت کے ہیں۔

کیا شاعر حساس طبعیت کے مالک ہوتے ہیں۔ شعری لطافت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کی حساسیت اسے شعر کی طرف مائل کرتی ہے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرا ادیب بھی حساس ہو جو نثر کی طرف مائل ہو اور ناول، افسانہ، ڈرامہ وغیرہ تحریر کرتے ہوں۔ حساسیت کا محرک معاشی، معاشرتی، سیاسی یا نفسیاتی مسائل ہوتے ہیں۔ حب الوطنی یا مثبت یا منفی تعصب بھی ایک محرک ہو سکتا

ہے۔ شعر کس طرح سے پر تو تخیل کا جزو بن کر ایک حسیاتی عمل سے گزرتا ہے، اس کا اظہار ایک انگریز شاعر Ted Hughes نے اپنی نظم بعنوان Thought Fox میں بڑے انوکھے انداز میں کیا ہے۔ یہ نظم بتاتی ہے کہ کس طرح سے انسان اپنے حسیات کو بروئے کار لا کر نظم تخلیق کرتا ہے اور کس طرح سے متخیلہ حسیات کی کسوٹی پر اسے کستی ہے۔ شاعر نے اپنے محشر خیال کو ذہن کے سانچے اور متصورہ میں آنے کے عمل کو ایک برفانی لومڑی سے تشابہ قرار دیا ہے جو برف زاروں پر آہستہ آہستہ قدم رکھ کر اپنے شکار کی جانب بڑھتی ہے۔

I imagine this midnight moment's forest:
Something else is alive
Beside the clock's loneliness
And this blank page where my fingers move.
Through the window I see no star:
Something more near
Though deeper within darkness
Is entering the loneliness:
Cold, delicately as the dark snow
A fox's nose touches twig, leaf;
Two eyes serve a movement, that now
And again now, and now, and now
Sets neat prints into the snow
Between trees, and warily a lame
Shadow lags by stump and in hollow
Of a body that is bold to come
Across clearings, an eye,
A widening deepening greenness,
Brilliantly, concentrated,
Coming about its own business
Till, with a sudden sharp hot stink of fox
It enters the dark hole of the head.
The window is starless still; the clock ticks,
The page is printed(۱) .

یعنی شاعر اپنے تخلیقی تجربے کو حسی سطح پر پیش کر رہا ہے اور یہ کہ رات کے وقت نظم لکھتے وقت گھڑی کی ٹِک ٹِک جب تنہائی کا احساس دلاتی ہے تو شاعر کورے کاغذ پر انگلیاں بار بار ہلاتا ہے اور پھر خالی کھڑکی سے آسمان کو دیکھ کر اسے اندازہ ہوتا ہے کہ آسمان بھی اس کے ذہن کی طرح خالی ہے کہ یکایک اسے کسی متحرک چیز کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہ متحرک شئے در اصل شاعر نے حسی سطح پر خیال کو اپنی حسیات کی گرفت میں لینے سے حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ شاعرانہ تخیل اس کے ذہن میں داخل ہوتا ہے اور شروع شروع میں اس تخیل کا ہیولا جو موہوم تھا، رفتہ رفتہ واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ ہیولا اس تاریکی سے نکل کر شاعر کے حسیات کی گرفت میں آتا ہے اور برف کی طرح برودت کا احساس دلاتے ہوئے اسے یوں لگتا ہے کہ لومڑی کی ناک جیسے کسی پتے کو چھوئے

اور پھر ارتکاز کے ساتھ آگے بڑھ دماغ کے تاریک کو روشن کر دیتا ہے اور سامنے رکھے ہوئے کورے کاغذ پر شاعری کے نقش ابھرتے ہیں۔اس تخلیقِ شعر کے حسیات تفاعل کو یہاں پوری طرح بے نقاب دیکھا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس حسیاتی تجربہ کے باب میں تخلیقِ شعر کا حوالہ دیے بغیر "تخلیقِ شعر میں حسیاتی تفاعل" کو واضح نہیں کیا جاسکتا تھا۔اردو شاعری میں ایسے بے شمار اشعار موجود ہیں جن میں تخلیقی تجربے کے حسیاتی تفاعل کا بیان واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔اردو کا دامن زیادہ وسیع ہے۔اردو شعرا میں سب سے زیادہ حسیاتی تجربات علامہ اقبالؒ نے کیے ہیں۔ان کا ایک شعر دیکھئے:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں (۲)

یہ شعر وجدانی حسیات کا خوبصورت مرقع ہے کہ اس میں شاعر نے "حقیقتِ کبریٰ" کی جس لباسِ مجاز میں مظہریتِ کُلی کے کشف ونمود کی آرزو کی ہے،وہ فقط حسی تجربے کی سطح ہے جو کسی ٹھوس وجود کی سطح پر پائی جانی ناممکن ہے کیونکہ فانی لافانی نہیں ہیں اور لافانی کو فانی حسیاتی سطح پر مجازِ لباس میں دیکھ نہیں سکتے۔مشاہدے کی تاب اور اس کی آرزو ہونا اور بات ہے لیکن اس حسی تجربے کا ہے جو علامہ کے تخلیقِ فن شعر کو متشکل کر رہا ہے۔سجدوں کا تڑپنا بذاتِ خود مجرد کی تجریدیت سے آگے کا سفر ہے جو فرطِ ادائے حق بندگی میں آکر ایک بار اور شاعر کا حسی تجربہ بن گیا ہے۔یہی حسی تجربہ جب متخیلہ کے دائرہ فعال میں آتا ہے تو وہ شعر کی تشکیل کا سبب بن جاتا ہے۔

شاعری کے متعلق دو نظریات ہیں،ایک آمد کا اور دوسرا آورد کا۔آمد وہ اشعار ہیں جو غیب سے خیالات کی صورت میں شاعر کے کے قلم سے تحریر ہوتے ہیں۔یہ شاعری بالکل فطری طور پر انسان سے منسلک ہوتی ہے۔وہ خیالات جن کے متعلق شاعر غور وفکر کرتا ہے یا خود سے اشعار تخلیق کرنے کی کوشش کرتا ہے آورد کہلاتے ہیں۔مثال کے طور پر اقبال کی شاعری کا بیش تر حصہ آورد ہے۔اس کے ساتھ ساتھ داخلیت اور خارجیت بھی اہمیت کے حامل ہیں۔شاعری میں داخلیت سے مراد فرد کی ذاتی زندگی یا اندرونی خیالات کا بڑا حصہ یا اپنے اندرونی موسم کا حصہ ہے۔جبکہ خارجیت سے مراد یہ ہے کہ شاعر جس چیز کو دیکھے وہ اس کو اسی طرح بہترین الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے پرودے،نیز خود کو اس میں سے نفی کر کے اس کا بیان کر دے۔

شاعری دل سے ہوتی ہے اور دل انسان کے احساسات کا مرکزہ ہوتا ہے۔یہ جذب واحساس کے کم وکیف کی کمیتی واردات کا نام ہے جس کی تشکیل حسیات سے ہوتی ہے۔دل انتہاء حساس ہوتا ہے اور تمام احساسات کا مرجع ہے۔شعر کے مزاج میں حسیاتی عوامل کا کار فرما ہونا فطری امر ہے۔اس کے لیے شاعری کے لیے الہامی احساس کی موجودگی میں سوچنا ہی نہیں پڑتا۔پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب کونسا شعر ہو جائے۔دل چونکہ حواس کا محتاج ہے۔اس لیے احساس اور حواس دونوں تخلیق کا جزو ہیں۔

شاعر معاشرے کے اقتصادی اتار چڑھاؤ اور طبقاتی اونچ نیچ کو بنظرِ عمیق دیکھتا ہے اور پھر خود انھی حالات سے گزر کر وہ تخلیقی تجربے سے گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تخلیقی تجربہ بعد میں اور حسی تجربہ پہلے ہوتا ہے۔ غالبؔ ایسا شاعر دنیا کے کسی خطے میں نہیں پیدا ہوا جس کے دیوان کا ہر شعر حسی تجربات کا گنجینہ ہے۔

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک(۳)

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر(۴)

یہاں دونوں اشعار میں حسی تجربے سے پہلے شاعر گزرا ہے اور وہ شعر اسی حسی تجربے کی بنیاد پر تخلیقی تشکیلات سے گزر کر شعر بن پایا ہے۔ سر پھوڑنے کا حسی تجربہ پہلے اور اذیت کے کم و کیف کو یاد کے ساتھ منسلک کر کے پیش کرنے کا تجربہ بعد میں ہوا ہے۔ اسی طرح یہ اشعار دیکھئے:

یہ جو ہجر میں ہم دیوارو در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں (۵)

دے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر
کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے(۶)

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
درو دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا(۷)

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارِ اب اے ہوا ہوسِ بال و پر گئی
دیکھو تو دل فریبیِ اندازِ نقشِ پا

موجِ خرامِ یار بھی کیا گل کتر گئی (۸)

ہر شعر، ہر مصرعہ، ہر لفظ اور ہر ترکیب حسی تجربے کی مبرہن دلیل ہے جو شاعر کی مشاہداتی ژرف نگاہی اور لاجواب تخلیقی حسیات کا مرقعِ جمال ہے۔ "اندازِ پا" کی دلفریبی اور "موجِ خرامِ یار" کو باصرہ سے نہیں بلکہ باطنی حسیات سے محسوس کیا گیا ہے جو غالب کے حسی تجربے سے بچ نہیں سکی۔

معاشرہ شاعری کا ایک بڑا اور بنیادی محرک ہے۔ شاعر معاشرے کی کئی چیزوں سے تحریک لیتا ہے اور دوسرے انسانوں کے درد کو اپنا درد محسوس کرتا ہے تو شاعری میں جو پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ابتدائی شاعری زیادہ تر داخلیت کی وجہ سے ہوتی تھی، دورِ حاضر میں خارجی حسی تجربے کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔

مشاہدہ کے لیے انسان کا مختلف مناظر سے الفاظ و اشیا کشید کرنا اور مکان وزماں سے ماورا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مشاہدہ جس قدر جزویاتی ہو گا اسی قدر شاعری میں آسانی ملے گی۔ بھرتی کے اشعار کے بجائے اچھے اشعار مشاہدے کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ستیہ پال آنند لکھتے ہیں:

> "معاشی ناہمواری شاعری کی جانب کھینچتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ چیخ چیخ کر سب کو اپنے دل کا حال سناؤں۔ اسی لیے شاعری کی جانب کھنچا چلا جاتا ہوں۔ شاعری بہت سارے مسائل کی وجہ سے تخلیق ہوتی ہے جن میں سے میرے نزدیک سب سے اہم مسئلہ معاشی مسئلہ ہے۔"(۹)

معاشی مسئلہ لطیف انسان کے لطیف احساسات کے لیے سمِ قاتل کی حیثیت رکھتا ہے لیکن یہ بھی عینِ حقیقت ہے کہ تخلیق جتنے زیادہ حسی تجربات سے گزرے گی اس قدر ہی متوازن اور متنوع ہوتی جائے گی۔ اس حوالے سے سرور خان کا یہ شعر دیکھئے:

کتنے اچھے ہیں میرے گھر کے پرانے برتن
چھت ٹپکتی ہے تو کیچڑ نہیں ہونے دیتے(۱۰)

اور

رمز ہمیشہ

اے خدا، اے خدایاں خدا، اے خداوند
میں تجھ سے معمور تھا
خود سے مسحور تھا
اور ایک میں ہی کیا
نیلگوں آسمانوں سے دیوان خانے کی

سرسبز
نکہت نفس
کیاریوں تک کا سارا سماں
تجھ سے معمور تھا
خود سے مسحور تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
وہ خجستہ وہ خوش ماجرا روز و شب
روز و شب ہی نہ تھے
اک زمانِ الوہی کا انعام جاری تھے
اور ایک رمزِ ہمیشہ کا
سرچشمہ جاوداں تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
ہم کو اپنا نسب نامہ تا آدمِ بوالبشر یاد تھا
قبلِ تاریخ کی ساری تاریخ ذہنوں میں محفوض تھی
ہم کو صبحِ تخستینِ ایجاد سے
اپنے اجداد تک
اپنے دالان و در
ان کی بنیاد تک
ساری تفصیلِ کون و مکاں یاد تھی
ہم سب اپنے یقین و گماں کے فرحناک
اسرار میں
شاد و خرم تھے
خوش بین و خرسند تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔
اور پھر
وہ زمانہ بھی آیا کہ جب
میں ترے باب میں مضمحل ہو گیا

بادِ یغما گرِ نفی و انکار نے
ان فرحناک اسرار کے
عالمِ خواب آگیں کو زیر و زبر کر دیا
وہ خجستہ وہ خوش ماجرا روز و شب
وہم و خواب و خیال و گماں ہو گئے
وہ معانی وہ احوال جاں آفریں
بے اماں ہو گئے
فیضِ توفیق کی
وہ رسد رک گئی
وہ یقیں کے افق
بے نشاں ہو گئے
جو بھی آسان تر تھا وہ دشوار تر ہو گیا
میری حالت یہ تھی
جیسے میں اک سفر کردہ دور افتاد ہوں
اور ایقانِ فرخندہ و برگزیدہ کی وہ سرزمیں
میرے لمسِ کفِ پا سے
قرنوں کی دوری میں
گم ہو چکی ہے
میں تنہا ہوں
بے چارہ ہوں
جب میں دائیں طرف دیکھتا تھا
تو کیا دیکھتا تھا
کہ انجیر و شہتوت پژمردہ ہیں
جب میں بائیں طرف دیکھتا تھا

تو کیا دیکھتا تھا
کہ سارے شمالی پرندے
جنوبی افق کے زبونی زدہ
زرد ابہام میں
پھڑ پھڑاتے ہوئے
بے نشاں ہوتے جاتے ہیں
تب میں نے گزرے زمانوں میں
اور آنے والے زمانوں میں فریاد کی
اے خدا!
اے خداوند!
اب مرا باطنِ ذات ویران ہے
اب درونِ دروں
اور بیرونِ بیروں
فقط اک خلا ہے
فقط ایک لا
دہر دہر اور دیوم دیوم میں
اب عدم در عدم کے سوا کچھ نہیں
اے خداوند تو کیا ہوا
مجھ کو تیرے نہ ہونے کی عادت نہیں
وائے بر حالِ ژرفا و بالا و پہنا!
دریغا! سبب ہر مسبب سے اپنے جدا ہو گیا
حسرتا! کہکشاؤں کے گلوں کا چوپان کوئی نہیں
اور پھر میں نے
موجود کے دائرے کی نہایت پہ نالہ کیا

اے یقیں کے گماں
اے گماں کے یقیں
اے ازل آفریں
اے ابد آفریں(۱۱)

شاعر کا کتھارسس اس کے حسی مدرکات پر منحصر ہے۔جون نے جو تراکیب وضع کی ہیں ان کے پیچھے بھی حسی تجربہ اور اس کا ادراکِ کامل ہے۔" صبحِ نخستینِ ایجاد " میں جو رمز پنہاں ہے وہ بغیر کسی باطنی مدرکاتِ حسیہ کے تفاعل کے ممکن ہی نہیں کہ متشکل ہو۔مذہب سماجیات، سیاست اور داخلیت یہ سب مل کر شاعر کو شاعری کی جانب کھینچتے ہیں۔لیکن ان سبھی عوامل کے سوا ایک اور عامل جو شاعری کی تخلیق میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے،وہ حسی عامل ہے کہ جس کے تفاعل کے بغیر کوئی شعر محشرِ خیال سے محشرِ قرطاس پر محشور ہو ہی نہیں سکتا۔

مندرجہ بالا تحقیق اور تبصرہ جات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ہر وقت شاعر ہی ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ شعر لکھنے کی کیفیت اس پر ہر وقت طاری رہے۔ البتہ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ بہت سے محرکات جن میں عشق، محبت، معاش، معاشرت اور مذہب شامل ہیں ان میں سے کوئی نہ کوئی امر شاعر کو اپنی جانب متوجہ کرلیتا ہے اور اس میں جب تخلیق کی رو اٹھتی ہے تو حسیاتی فعلیت سے جمالِ شعر نکھرتا جاتا ہے۔بہت سے حسیاتی داخلی اور خارجی عوامل مل کر شاعر کو شعر کہنے کی طرف مائل کرتے ہیں۔

حوالہ جات

1. Ted Hughes:"Poetry in making,listening and writing,London Publishers,1997,P34

۲۔ علامہ اقبال، ڈاکٹر: کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۶۱

۳۔ اسد اللہ خاں غالب، دیوانِ غالب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۳ء، ص ۱۴۱

۴۔ ایضاً، ص ۸۹

۵۔ ایضاً، ص ۱۲۳

۶۔ ایضاً، ص ۵۶

۷۔ ایضاً، ص ۱۶

۸۔ ایضاً، ص ۲۰۹

۹۔ ستیہ پال آنند، زر نگار شمارہ ۱۵-۱۴ زر نگار بک فاؤنڈیشن، فیصل آباد ۲۰۱۵ تا ۲۰۱۶ء، ص ۲۱۳

۱۰۔ سرور خان، نقاط شمارہ ۱۳ از قاسم یعقوب، ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۶

۱۱۔ جون ایلیا، شاید، ایلیا اکادمی، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۸۹